With best Compliments
From
11/12/99

چار
توقیتیں

(میرؔ، ذوقؔ، غالبؔ، داغؔ)

کالی داس گپتا رضاؔ

ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمٹیڈ۔ ممبئی

نام کتاب	چار توقیتیں
مصنف	کالی داس گپتا رضا
طبع اوّل	۱۹۹۹ء
تعداد	چار سَو
قیمت	سَو روپے
کتابت	گل بوٹے پبلی کیشنز۔ ممبئی
پرنٹرز	موج پرنٹنگ بیورو۔ گرگام
	معرفت V.I.P انٹر پرائزز، واشی
	نیو ممبئی۔ ۴۰۰۷۰۳
پبلشرز	ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمٹیڈ
	۱۰۷، جولی بھون نمبر ۱
	۱۰ انیو مرین لائنز۔ ممبئی ۴۰۰۰۲۰

فہرست

	صفحہ نمبر
حرفے چند	۴
توقیتِ میر	۷
توقیتِ ذوق	۳۹
توقیتِ غالب	۴۷
غالب کے سفر کلکتہ کی توقیت	۷۸
توقیتِ داغ	۸۶

حرفے چند

میرؔ، ذوقؔ، غالبؔ اور داغؔ کے سال بہ سال کوائف جمع کرنے پر بہت وقت صرف ہؤا ہے کیونکہ رطب ویابس کو کھنگال کر صرف مستند سنین ہی پر انحصار کرنا تھا۔ یہ مواد کسی خاص منصوبے کے تحت اکٹھا نہیں کیا گیا۔ پہلے جہاں سے جو بھی معلومات حاصل ہوئیں وہ لے لی گئیں پھر اُن کا مختلف شواہد سے موازنہ کر کے زیادہ سے زیادہ صحیح معلومات منتخب کر لی گئیں۔

اِن مشاہیر کی زندگی نہ مَیں نے جی تھی نہ میرے کسی ہم عصر نے۔ لہٰذا مَیں اُن تمام مرحوم و موجود مصنفوں اور مؤلفوں کا شکر گزار ہوں جن کی متفرّق نگارشات سے مَیں نے براہِ راست خوشہ چینی کی ہے۔ اگرچہ کوائف کم درج ہوئے ہیں مگر مجھے اطمینان ہے کہ وہ ممکنہ حد تک مستند ہیں اس لیے فی الحال انھیں کو کافی سمجھا جائے۔

کالی داس گپتا رضاؔ
۲۵۔ اگست ۱۹۹۹ء۔ ممبئی

گفتار و کردار کے غازی

مُحبّی

ضمیرؔ نیازی

کے نام

توقیتِ میرؔ

قیاساً

۱۰۴۰ھ
۳۱-۱۶۳۰ء

میرؔ کے بزرگ ایک قافلے کی صورت میں مُلکِ حجاز سے ہجرت کر کے ساحلِ دکن پر اُترے۔ وہاں سے بکھر کر کچھ لوگ احمد آباد گجرات میں آباد ہوگئے کچھ آگرے میں آبسے۔ اِن آگرے میں آبسنے والے بزرگوں میں ایک میر کے جدِ اعلےٰ تھے

۱۰۵۰ھ
۴۱-۱۶۴۰ء

میرؔ کے دادا کی ولادت، آگرے ہی میں۔ بعد ازاں نواحِ آگرہ میں فوجدار رہے۔ (میر کے دادا کے دو بیٹے تھے) بڑا بیٹا پاگل تھا اور جوانی ہی میں لاولد فوت ہو گیا تھا۔ چھوٹے بیٹے میر کے والد تھے)

۱۰۸۲ھ
۷۲-۱۶۷۱ء

میرؔ کے والد، میر محمد علی (علی متقی خطاب) کی آگرے میں ولادت۔ بچپن عیش و عشرت میں گذرا۔ محرم خاں کی مسجد والے مدرسے میں شاہ کلیم اللہ کے درس میں شامل۔ وہیں عنفوانِ شباب میں ان کے باقاعدہ مُرید۔ درویش تو تھے

ہی شاید اسی لیے "علی متقی" کے خطاب سے زیادہ شہرت پائی۔ ممکن ہے یہ خطاب شاہ کلیم اللہ ہی کی عنایت ہو۔ پہلے حنفی سُنّی تھے۔ پھر آہستہ آہستہ تفضیلیے سُنّی ہو گئے

۱۰۹۹ھ
۸۸۔۱۶۸۷ء

سراج الدین علی خان آرزو کی ولادت۔ میر کے والد کا عقدِ اوّل خان موصوف کی بڑی بہن سے ہوا تھا

۱۱۰۰ھ
۸۹۔۱۶۸۸ء

میر کے دادا کا انتقال۔ پچاس سال کی عمر میں بیمار ہوئے۔ کئی دنوں کے بعد کہ ابھی صحت یاب نہیں ہوئے تھے، کسی کام سے گوالیار گئے۔ وہیں انتقال کیا

۱۱۰۹ھ
۹۸۔۱۶۹۷ء

شاہ کلیم اللہ (میر کے والد میر محمد علی، علی متقی کے مرشد) کا انتقال۔ میر کے والد اس وقت ۲۷ سال کے تھے

۱۱۱۵ھ
۴۔۱۷۰۳ء

میر کے سوتیلے بڑے بھائی حافظ محمد حسن کی ولادت

۱۱۱۸ھ
۷۔۱۷۰۶ء

میر کے والد کی زوجۂ اولیٰ (میر کی سوتیلی والدہ) کا انتقال

۱۱۳۰ھ
۱۸۔۱۷۱۷ء

میر کے والد کا عقدِ ثانی، میر کی والدہ کے ساتھ۔ (زوجۂ ثانی سے تین اولادیں ہوئیں۔ (۱) بیٹی (زوجۂ محمد حسین کلیم) (۲) میر تقی میر (۳) میر محمد رضی)

۱۱۳۳ھ
۲۱۔۱۷۲۰ء

میر کی بہن (زوجۂ کلیم) کی ولادت

اواخر ۱۱۳۵ھ
اگست۔ ستمبر ۱۷۲۳ء

میر تقی میر کی ولادت آگرے میں۔ آگرے ہی میں معمولی درسی تعلیم، مگر قرآن امان اللہ سے باقاعدہ پڑھا

۱۱۳۷ھ
۲۵۔۱۷۲۴ء

میر کے چھوٹے بھائی میر محمد رضی کی ولادت

۱۱۴۲ھ
۳۰۔۱۷۲۹ء

امان اللہ ساکن بیانہ آگرے میں آمد۔ آتے ہی وہ میر کے والد علی متقی کے مُرید ہو گئے۔ [انھیں کی آغوشِ شفقت میں میر کی پرورش ہوئی تھی۔ میر، امان اللہ کو چچا کہتے تھے اور ہر دم اُنھیں کے

پاس رہتے تھے۔ میر کو قرآن بھی اُنھیں نے پڑھایا۔ وہ خود درویش تھے۔ میر کو ساتھ رکھتے تھے۔ ایک درویش نے میر کو اُسی زمانے میں کہا تھا کہ ''ابھی بچہ ہے اگر پر پُرزے ٹھیک نکلے تو ایک پرواز میں آسمان کے اس طرف نکل جائے گا''۔]

۲۔ شوال۔ ۱۱۴۵ھ
۷۔ مارچ ۱۷۳۳ء

امان اللہ کا انتقال

۲۱ رجب ۱۱۴۶ھ
۱۸ دسمبر ۱۷۳۳ء

میر کے والد علی متقی (میر محمد علی) کا ۶۴ سال کی عمر میں انتقال۔ میر کی عمر ۱۱ سال کی تھی۔ (میر کے والد نے سب سے بڑا اثاثہ جو میر کے لیے چھوڑا وہ عشق کرنے کی تلقین میں مضمر ہے۔ انھوں نے کہا تھا کہ اے پسر! دُنیا میں جو کچھ ہے وہ ظہورِ عشق ہے۔ میر پر اس کا یہ اثر ہوا کہ آغازِ جوانی ہی سے شعلۂ عشق نے اُن کے دل میں جا کر لی تھی۔ ان کی کئی مثنویاں اس کی غماز ہیں) [علی متقی نے مرتے وقت یہ بھی کہا کہ مَیں فقیر آدمی ہوں میرے پاس تین سو کتابوں کے سِوا کچھ نہیں۔ ان کو تم تینوں بھائی قانونِ ترکہ کے مطابق بانٹ لینا۔ مگر بڑے بھائی نے (جو سوتیلے تھے) اپنی طالب علمی کا عذر کر کے باپ سے سب کتابیں مانگ لیں۔ پھر علی متقی (والدِ میر) نے میر سے کہا کہ بازار کے بنیوں کا مَیں تین سو

روپے کا مقروض ہوں وہ تم میری میّت اُٹھانے سے پہلے ہی ادا کر دینا۔ میر نے کہا کہ مَیں قرض کہاں سے ادا کروں گا۔ علی متقی نے (گویا کشف سے) کہا کہ ہنڈی راہ میں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا]

۱۱۴۷ھ
۳۵۔ ۱۷۳۴ء

دہلی کا پہلا سفر (ابھی ۱۱ سال کے تھے۔ والد کی موت کے بعد میر آگرے ہی میں کام تلاش کیا کیے۔ مگر ناکام رہے۔ آخر دہلی کا رُخ کیا)

۱۱۴۷ھ
۳۵۔ ۱۷۳۴ء

۱۱۵۲ھ
تا ۱۶ مئی ۱۷۳۹ء

دہلی میں خواجہ محمد باسط (متوفی ۱۱۷۸ھ مطابق ۶۵۔ ۱۷۶۴ء) کے ذریعے امیر الامرا صمصام الدّولہ (خواجہ محمد عاصم جو خواجہ باسط کے چچا تھے) سے ملے جو آگرے کے رہنے والے تھے اور میر کے والد علی متقی کے بڑے معتقد تھے۔ انھوں نے میر کا ایک روپیہ یومیہ (گویا تیس روپے مہینہ) وظیفہ مقرّر کر دیا (یہ وظیفہ میر کو صمصام الدّولہ کی وفات (جو یکم ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ۔ ۳۰ جنوری ۱۷۳۹ء کو نادر شاہ کی فوج سے لڑتے ہوئے ہوئی تھی) تک ملتا رہا۔ معلوم ہوتا ہے وظیفہ پاتے ہی میر واپس آگرے لوٹ گئے تھے اور وظیفہ جو کہ پرورش کے لیے تھا نہ کہ کسی خدمت کے صلے میں، وہاں بھی جاری رہا۔ میر ۱۱۵۲ھ میں ۱۷ سال کے تھے۔ یہ پانچ سال کا

وقفہ گویا میرؔ کا عیش و آرام اور سنِ بلوغ کو پہنچنے کا زمانہ تھا۔

۱۱۵۲ھ
آخرِ ۱۷۳۹ء

دہلی کا دوسرا سفر (وظیفہ بند ہونے پر میرؔ کے یہاں فاقے ہونے لگے) (۱۶ مئی ۱۷۳۹ء، ربیع الثانی ۱۱۵۲ھ کو نادر شاہ، مغل حکومت کو لگ بھگ مسمار کر کے اسّی ۸۰ کروڑ کی دولت لے کر دہلی سے رخصت ہوا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہی میر دہلی آئے ہوں گے) اپنے سوتیلے ماموں خان آرزو کے یہاں قیام کیا۔ دہلی کی حالت نادر شاہ کے حملے کے بعد ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ میر نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر کام نہ ملا۔ ان پے بہ پے ناکامیوں کے نتیجے میں وہ مجنون ہو گئے۔ (جنون میں یہ حال ہو گیا تھا کہ وہ در بند کیے حجرے میں پڑے رہتے تھے اور رات کو اُنھیں اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ "ماہ پیکرے خوش صورت" دکھائی دیتا تھا جو اِن کے لیے موجبِ بے خودی بن جاتا تھا۔ گویا میر جدھر نگاہ کرتے تھے اسی غیرتِ حور کا تماشہ کرتے تھے، وغیرہ وغیرہ۔ مثنوی خواب و خیال سے یہ اقتباسات اسی جنون کی ترجمانی کرتے ہیں ؎

جگر جورِ گردوں سے خوں ہو گیا
مجھے رُکتے رُکتے جنوں ہو گیا

نظر آئی اک شکل مہتاب میں
کمی آئی جس سے خورو خواب میں

جو دیکھوں تو آنکھوں سے لوہو بہے
نہ دیکھوں تو جی پر قیامت رہے

رہوں زرد میں گاہ بیمار سا
پریشاں سخن گہ پریدار سا

پری خواں کو لا کوئی افسوں پڑھائے
کسو سے کوئی جا کے تعویذ لائے

طبیبوں کو آخر دکھایا مجھے
نہ پینا تھا جو کچھ پلایا مجھے

وہ حجرہ جو تھا گور سے تنگ تر
در اس کا نہ کھلتا تھا دو دو پہر

۱۱۵۳ھ
۱۷۴۰-۴۱ء

تقریباً ۹ ماہ دیوانگی کی حالت میں رہے (بیگم فخر الدین خاں نے جو میرؔ کے والد کی مرید تھیں کافی روپیہ خرچ کر کے علاج کرایا)

۱۱۵۳ھ تا ۱۱۶۶ھ
۱۷۴۰-۴۱ء تا ۱۷۵۲-۵۳ء

دہلی میں خان آرزوؔ کے پڑوس والے مکان میں سکونت (جس کی ہجو کہی گئی ہے شاید وہ یہی مکان ہے)۔

گھر بھی ایسا کہ جس کا ہے مذکور
ہے خرابی میں شہر میں مشہور

۱۱۵۴ھ
۱۷۴۱-۴۲ء

تعلیمی ترقی کا آغاز [یہ سب ان کے سوتیلے ماموں خان آرزو کا فیض تھا۔ عظیم آباد (پٹنہ) کے ایک طالبِ علم میر جعفر نے بھی تحصیلِ علم میں میر کی مدد کی۔ زبان پر قدرت حاصل ہوتے ہی میر سعادت علی (سعادت) امروہوی کے مشورے پر اُردو (ریختہ) میں شعر گوئی کی طرف متوجہ ہوئے۔ شاید اسی زمانے، تقریباً ۱۱۵۵ھ، میں انھوں نے اپنا تخلّص میر رکھا ہوگا۔ (آبِ حیات میں درج ہے کہ پہلے میر تخلّص سیّد میر سوز کا تھا۔ جب میر تقی مرحوم میر کے تخلّص سے عالمگیر ہوئے تو انھوں نے سوز اختیار کیا۔ چنانچہ ایک شعر میں (میر، سوز) دونوں تخلّصوں کا اشارہ کرتے ہیں ؎

کہتے تھے پہلے میر میر، تب نہ موئے ہزار حیف
اب جو کہے ہیں سوز سوز، یعنی سدا جلا کرو]

اگلے پانچ سالوں میں میر نے اس قدر صلاحیت بہم پہنچائی کہ وہ اُردو کے برگزیدہ شاعر تسلیم کیے جانے لگے

تقریباً ۱۱۶۰ھ
۱۷۴۷ء

تبدیلِ مذہب۔ تفضیلیے سُنّی سے شیعہ مسلک اختیار کیا۔ اپنے سوتیلے ماموں (سوتیلی ماں کے بھائی) خان آرزو سے تعلقات کشیدہ

۱۱۶۱ھ
۴۸-۱۷۴۷ء

عقدِ اوّل دہلی میں

۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۹ھ
۴۸-۱۷۴۷ء تا ۵۶-۱۷۵۵ء

میر علیم اللہ کے توسّل سے ایک امیر رعایت خاں سے ملے۔ جو پہلے ہی میر سے ملنے کا اشتیاق رکھتے تھے۔ انھوں نے فوراً ملازمت دے دی۔ جنوری تا مارچ ۱۷۴۸ء احمد شاہ ابدالی کا حملہ۔ شاہی فوج کے ساتھ رعایت خاں کی معیت میں میر بھی جنگ کے لیے لاہور روانہ۔ ابدالی پسپا۔ فتح مند فوجیں واپس آرہی تھیں کہ مغل بادشاہ محمد شاہ کے انتقال (۲۵۔اپریل ۱۷۴۸ء) کی خبر ملی۔ شہزادہ احمد شاہ تخت نشین ہوئے

۱۱۶۲ھ
۴۹-۱۷۴۸ء

میں اجمیر کی ایک مہم پر رعایت خاں کے ساتھ گئے۔ وہاں خواجہ اجمیری کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ ایک چاندنی رات میں رعایت خاں نے کہا کہ میر! کچھ شعر کہہ کر ڈوم بچّے کو یاد کرادو۔ میر نے طوعاً کرہاً رعایت خاں کی خواہش تو پوری کردی مگر دو ایک ہی دن میں ملازمت ترک کردی۔ رعایت خاں نے اس پر بھی میر کے بھائی محمد رضی کو ملازم رکھ لیا

بعہد احمد شاہ، خواجہ سرا نواب بہادر (خطاب) کے یہاں ۲۲ روپے مہینہ پر ملازم
(بلاس رائے کی ہجو میں میر لکھتے ہیں ؎

"قصہ کوتاہ بعد چندیں ماہ
میری اس بھڑوے پر چڑھی تنخواہ۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔ایک سو دس روپے ہیں کچھ بھی مال"
گویا بقایا ایک سو دس روپے تھا جو گیارہ روپے

ماہانہ کے حساب سے دس ماہ کی تنخواہ ہو سکتی ہے ۔۔۔۔۔ دس روپے ماہانہ کے حساب سے گیارہ ماہ کی اور بائیس روپے ماہانہ کے حساب سے پانچ ماہ کی ۔ یہی موخرالذکر مدت اور تنخواہ درست معلوم ہوتی ہے ۔ نواب بہادر کا اصل نام جاوید خاں خواجہ سرا تھا۔ اس نے احمد شاہ کے زمانے میں بڑا عروج پایا)

۱۱۶۲ھ
۴۹۔۱۷۴۸ء

بڑے بیٹے میر فیض علی کی دہلی میں ولادت (گھر کی پہلی ہجو میں جب بارش سے چھت گری ہے اور جو لڑکا دب گیا ہے مگر زندہ بچ گیا ہے وہ یہی فیض علی تھا۔

قدرتِ حق دکھائی دی آکر
یعنی نکلا درست وہ گوہر

داشت کی کوٹھری میں لا رکھتا
گھر کا غم طاق پر اُٹھا رکھتا

فیض علی شاعر بھی تھے ۔ فیضؔ تخلص تھا ایک مطلع درج ہے۔

نہ مانی تو نے میری ،اپنی ہی ضد بے وفا رکھی
کہیں گے کس سے ہم جاکر، ہماری تو نے کیا رکھی)

۱۱۶۳ھ
۵۰۔۱۷۴۹ء

صفدر جنگ کا فرخ آباد پر حملہ ۔ میرؔ، اسحاق خاں

نجم الدولہ کے ساتھ لشکر میں موجود تھے، صفدر جنگ کو شکست۔ میرؔ بھی تباہ حال دہلی پہنچے

۱۱۶۴ھ
۵۱۔۱۷۵۰ء

حالات سے دل برداشتہ ہو کر کچھ روز خانہ نشین۔ عربی کی درسی کتب پڑھتے پڑھاتے رہے۔ وظیفہ نواب بہادر کے یہاں سے جاری رہا

قبل از ۱۱۶۵ھ
قبل از ۱۷۵۲ء

دیوانِ اوّل (ترتیب دہلی)

۱۱۶۵ھ
۲۷ اگست ۱۷۵۲ء

نواب بہادر کا قتل (صفدر جنگ کی سازش سے) میرؔ پھر بے روزگار۔ دیوان مہانراین کام آئے۔ میر کو شرف الدین پیامؔ کے بیٹے نجم الدین سلام کے ہاتھ کچھ روپیہ بھجوایا اور عزّت سے بلا کر ملازم رکھ لیا

۱۱۶۵ھ
۱۷۵۲ء

تذکرہ نکات الشعراء کا سالِ تکمیل

۱۱۶۶ھ
۵۳۔۱۷۵۲ء

چند ماہ بعد ملازمت ختم۔ فاقے شروع۔ میرؔ اس وقت تک خان آرزوؔ کے پڑوس میں رہتے تھے۔ چنانچہ اپنی عزّت بر قرار رکھنے کے لیے وہاں سے اٹھ گئے اور امیر خاں انجامؔ (متوفی ۱۱۵۹ھ) کی

حویلی میں رہنے لگے۔ اس حویلی میں ۱۱۷۳ھ مطابق ۶۰۔۱۷۵۹ء تک سکونت رہی

۱۱۶۶ھ / ۵۳۔۱۷۵۲ء تا ۱۱۷۸ھ / ۶۹۔۱۷۶۸ء

دیوانِ فارسی کا زمانۂ تصنیف (مصحفی نے عقدِ ثریا میں میر کی زبانی لکھا ہے کہ میر نے دو سال تک اُردو شاعری موقوف کر کے صرف فارسی شاعری کی اور دو ہزار اشعار کا دیوان تیار کیا۔ امکان ہے کہ یہ دو سال اسی مدت کے درمیان آئے ہوں گے)

۱۱۶۷ھ / ۲جون ۱۷۵۴ء

وزیر عماد الملک نے مرہٹوں کی مدد سے احمد شاہ کو تخت سے اتار دیا۔ کہتے ہیں کہ عماد الملک نے احمد شاہ کو اندھا کر دیا تھا۔ محمد حسین کلیم دہلوی جو میر کا داماد اور رشتہ دار تھا اور احمد شاہ کے عہد میں پولس افسر تھا، بادشاہ احمد شاہ اور وزیر عماد الملک کے لیے کہتا ہے ؎

کل کے دن جو بادشہ تھے اور وزیر
آج کے دن بیٹھے اندھے ہو بصیر

شاید میر نے بادشاہ کی آنکھوں میں سلائیاں پھرتے دیکھی تھیں۔ یہ شعر میر کے دیوانِ اوّل میں شامل ہے ؎

شہاں کہ کحلِ جواہر تھی خاکِ پا جن کی
انھیں کی آنکھوں میں پھرتے سلائیاں دیکھیں

۱۱۶۹ھ / ۲۷جون ۱۷۵۶ء

خان آرزو کا لکھنؤ میں انتقال۔ جہاں وہ ملازم

ہو گئے تھے۔ لاش دہلی لائی گئی اور انھیں کی حویلی میں دفن کی گئی

۱۱۷۰ھ / ۵۷۔۱۷۵۶ء

بیگم، دخترِ میر و ہمشیرہ فیض علی کی دہلی میں ولادت (شادی دہلی ہی میں میر کے بھانجے، بڑی بہن کے بیٹے حسن علی عرف حاجی تخلّی پسر محمد حسین کلیم سے تقریباً ۱۱۸۸ھ میں ہوئی۔ شاعرہ تھیں۔ بیگم تخلّص تھا۔ ایک شعر ملاحظہ کیجیے ؎

برسوں خمِ گیسو میں گرفتار تو رکھا
اب کہتے ہو کیا تم نے مجھے مار تو رکھا)

۱۱۷۰ھ / ۲۳ر جنوری ۱۷۵۷ء تا ۱۱۷۴ھ / ۱۳ر جنوری ۱۷۶۱ء

پھر ابدالی کا حملہ۔ دہلی میں داخل۔ لوٹ مار، بربریت اور وحشت سے دہلی اور نواحِ دہلی متزلزل۔ درندگی کی انتہا

۱۱۷۰ھ / ۱۲اپریل ۱۷۵۷ء

لوٹ مار کے بعد ابدالی کی واپسی۔ میر کی حالت تباہ۔ آخر تنگ آکر راجا جگل کشور (ثروت) کے پاس پہنچے جن کی تصنیفات دو تین برس پہلے اصلاح کرتے وقت میر نے قلم زد کر دی تھیں مگر اب راجا خود مفلس ہو چکا تھا۔ پھر بھی وہ میر کو راجا ناگر مل کے پاس لے گیا۔ کئی بار کی قیل و قال کے بعد آخر ملازمت مل گئی

۱۱۷۱ھ / اواخر ۱۷۵۷ء

سال بھر کی تنخواہ پیشگی۔ میر روز رات کو راجا

ناگر مل کے یہاں ملازموں کی طرح جاتے اور
دوپہر تک وہاں رہتے

۱۱۷۳ھ
۲۹۔نومبر ۱۷۵۹ء

عالمگیر ثانی کا قتل۔ عماد الملک نے لاش جنگل میں
پھینک دی۔ ابدالی کا اچانک پھر حملہ۔ راجا ناگیر
مل، سورج مل جاٹ کے قلعوں میں منتقل۔ میر
بھی تباہ حال۔ بال بچوں سمیت گھر سے نکل
کھڑے ہوئے۔ آٹھ نو کوس چل کر ایک سرا میں
درخت کے نیچے قیام کیا۔ دوسرے روز وہاں
سے راجا جگل کشور کی رانی کا گذر ہوا، وہ انھیں ضلع
متھرا کے تیرتھ استھان برسانا تک لے گئیں

۱۱۷۴ھ
اگست ۱۷۶۰ء

پھر وہ رانی ہی کے ساتھ کامان گئے اور محرّم کا
چاند وہیں دیکھا۔ ۱۱۔ محرم (۲۳/اگست کو روانہ
ہو کر کمبھیر پہنچ گئے۔ چند دنوں کے بعد راجا
ناگر مل بھی آگئے۔ ملاقات پر میر پھر راجا کی
طرف سے وظیفہ پانے لگے۔ ۱۱۸۴ھ/ ۱۷۷۰۔۷۱ء
تک وہیں کمبھیر میں رہے

۱۱۷۴ھ
۱۴جنوری ۱۷۶۱ء

پانی پت کی تیسری لڑائی۔ احمد شاہ ابدالی کے
ہاتھوں مرہٹوں کی زبردست شکست۔ ابدالی کا
دربار۔ ابدالی نے بلا کر راجا ناگر مل کو نیابت کے
عہدے پر سرفراز کیا۔ میر اس وقت راجا کے
ساتھ تھے۔ راستے میں میر نے ابدالی کے ہاتھوں

لٹی ہوئی دہلی دیکھی اور آٹھ آٹھ آنسو بہائے

تقریباً ۱۱۷۵ھ
۶۲۔۱۷۶۱ء

"فیضِ میر" کا سال تصنیف

۱۱۷۶ھ
۶۳۔۱۷۶۲ء

راجا سورج مل کی بغاوت۔ راجا ناگر مل کو
آگرے بلایا۔ میر ہمراہ تھے۔ میر "ذکرِ میر" میں
لکھتے ہیں کہ مَیں تیس سال بعد (گویا ۱۱۴۶ھ کے
بعد پہلی بار) اپنے وطن گیا ہوں۔ (۱۱۴۶ھ میں
میر نے دہلی کا پہلا سفر کیا تھا۔ مگر وہ جلد ہی
آگرے پلٹ گئے تھے۔ مستقل ترکِ وطن ۱۱۵۲ھ
میں کیا تھا۔ اس لیے وقفہ ۲۴ سال کا ہونا چاہیے۔
نہ کہ تیس سال کا) چار مہینے آگرے میں ٹھہرے

۱۱۸۲ھ
۶۸۔۱۷۶۷ء

پھر آگرے کا سفر۔ راجا ناگر مل کی ہمراہی میں۔
والد اور امان اللہ کی قبر پر فاتحہ پڑھا۔ ۱۵ روز قیام

۱۱۸۳ھ
۷۰۔۱۷۶۹ء

راجا سورج مل کے قتل کے بعد ان کے بیٹوں
میں خانہ جنگی۔ جاٹوں کی شورش اور فتنہ انگیزی
میں بھی اضافہ۔ انجام کار راجا ناگر مل اپنے
دونوں بیٹوں اور دہلی کے مہاجروں کی بڑی
تعداد کے ساتھ کامان منتقل۔ راجا ناگر مل
بادشاہ سے تجدیدِ تعلقات کے خواہاں۔ انھوں

نے میرؔ کو ایلچی بنا کر حسام الدولہ حسام الدین خاں کے پاس بھیجا تاکہ وہ بادشاہ سے مصالحت کرادے۔ لیکن راجا کا چھوٹا لڑکا مانع آیا۔ میرؔ کا مشن ناکامیاب

۱۱۸۴ھ
۷۱-۱۷۷۰ء

میرؔ حالات سے دل برداشتہ۔ راجا ناگر مل کی تقریباً چودہ سال کی ملازمت ترک

واپس دہلی۔ بیوی اور بچے کو سرائے میں چھوڑا اور راجا ناگر مل کے بڑے بیٹے رائے بہادر سنگھ سے مل کر اسے حقیقتِ حال سے آگاہ کیا

والدۂ فیض علی کا انتقال

۱۹-ذیقعدہ-۱۱۸۵ھ
۲۳ فروری ۱۷۷۲ء

معرکۂ سکر تال یعنی ضابطہ خاں پسر نجیب الدولہ سے مرہٹوں اور شاہی فوجوں کی لڑائی۔ ضابطہ خاں بھاگ گیا۔ مرہٹوں نے تباہی مچادی مگر اس لوٹ مار میں سے بادشاہ اور اس کے امیروں کو کچھ نہ دیا۔ چنانچہ راجا ناگر مل کا بڑا لڑکا جس کے میر ان دنوں ملازم تھے، مالی طور پر بے حد کمزور ہو گیا۔ میرؔ کم و بیش پچاس کے ہو چکے تھے۔ پہلی بیوی (والدۂ فیض علی) کا بھی انتقال ہو چکا تھا اس لیے خانہ نشینی اختیار کی

۱۱۸۶ھ
۷۳-۱۷۷۲ء

"ذکرِ میرؔ" (میرؔ کی خود نوشت سوانح عمری) کا سالِ تصنیف، اگرچہ غلام قادر روہیلہ کے ظلم و جبر اور مرہٹوں کے ہاتھوں اس کے مارے جانے (۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء) تک کا بیان ملتا ہے تاہم (میرؔ کی اس پچاس سالہ (۱۱۸۶ھ تک کی) زندگی کا تجزیہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ افلاس، ذہنی کوفتوں، پریشانیوں اور جنگ و جدال کے سوائے کچھ ان کے حصّے میں نہیں آیا۔

زمانے نے رکھا مجھے متصل
پراگندہ روزی، پراگندہ دِل

(ان دنوں میرؔ خانہ نشین تھے اور تصنیف و فکرِ سخن کے سوائے انھیں کوئی کام نہ تھا۔ اس بے کاری میں انھوں نے "ذکرِ میرؔ" کے ذریعے اپنے والد کو یگانۂ روزگار درویش بنا کر اپنا جی خوش کیا اور اپنے محسن سوتیلے ماموں خان آرزو اور سوتیلے بڑے بھائی حافظ محمد حسن سے اظہارِ نفرت کر کے کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ میرؔ اس تصنیف میں ایک کینہ پرور، بدلہ لینے والے اور اپنے منہ میاں مٹھو بننے والے انسان کے روپ میں سامنے آتے ہیں)

۱۱۸۶ھ تا ۱۱۹۵ھ
۷۳-۱۷۷۲ء تا ۸۱-۱۷۸۰ء

لکھنؤ جانے تک (۱۱۹۶ھ) میرؔ کی خانہ نشیبی کا طویل زمانہ
(نسنگ نامہ جو میرؔ کی ایک بہت مشہور اور پُر از معلومات مثنوی ہے اسی زمانے میں لکھی گئی

معلوم ہوتی ہے۔ یہ دہلی سے نسنگ (نزد کرنال) تک کے سفر کا حال ہے جو غازی آباد، بیگم آباد، اور میرٹھ کے راستے سے کیا گیا تھا) یہ وہ زمانہ ہے کہ سیاست، مکاری بن چکی تھی۔ شرافت اور آن بان کی باتیں قصہ ماضی ہو چکی تھیں۔ اعتماد و اعتبار کا قحط تھا۔ گویا ہر قدر اپنی پست ترین سطح پر آچکی تھی۔ دہلی کا یہ حال تھا کہ خود بادشاہ بھی گدا بن گیا تھا۔ میر مثنوی نسنگ نامہ میں بھٹیاری کی زبان سے کہتے ہیں؎

سو تو نکلے ہو کو رے بالم تم
ہو گدا جیسے شاہ عالم، تم

اب میر ۵۲ سال کے ہو چکے ہیں۔ شجاع الدولہ انتقال کر گئے ہیں اور آصف الدولہ تخت نشین ہو گئے ہیں

قبل از ۱۱۸۹ھ قبل از ۷۶۔ ۱۷۷۵ء	دیوانِ دوم (ترتیب دہلی)
۱۱۹۵ھ ۱۷۸۱ء	مرزا محمد رفیع سودا کا انتقال
۱۱۹۶ھ فروری ر مارچ ۱۷۸۲ء	لکھنؤ میں آمد۔ آصف الدولہ نے زادِ راہ بھیج کر لکھنؤ بلوایا۔ (زادِ راہ کی سفارش آصف الدولہ کے ماموں نواب سالار جنگ نے کی تھی)

۱۱۹۶ھ مارچ۔ اپریل ۱۷۸۲ تا وفات آصف الدولہ ۲۸۔ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ ۲۰۔ ستمبر ۱۷۹۷ء	میر، نواب آصف الدولہ کا بھیجا ہوا زادِ راہ پروانہ پاتے ہی دہلی سے لکھنؤ کے لیے نکل پڑے۔ دہلی سے فرخ آباد پہنچے۔ رئیس فرخ آباد مظفر جنگ (تاریخ مسند نشینی شعبان ۱۱۸۵ھ ر نومبر۔ دسمبر ۱۷۷۱ء) نے انھیں کچھ روز ٹھہرنے کے لیے کہا۔ لیکن میر صاحب جلدی میں تھے، ایک دو دن ٹھہر کر لکھنؤ چلے آئے اور پہلے آصف الدولہ کے ماموں نواب سالار جنگ (جن کی سفارش پر آصف الدولہ نے زادِ راہ بھجوایا تھا) کے گھر پہنچے اور ان کی سفارش سے چند روز بعد آصف الدولہ کے ملازموں میں شامل کیے گئے۔ [میر کے اپنے بیان کے برعکس، آزاد آبِ حیات میں، ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں" وہ لکھنؤ پہنچ کر ------ ایک سرا میں اترے۔ معلوم ہوا کہ آج یہاں ایک جگہ مشاعرہ ہے ------ اسی وقت غزل لکھی ----- شامل ہوئے۔ ان کی وضع قدیمانہ، کھڑکی دار پگڑی، پچاس گز کے گھیر کا جامہ، ایک پورا تھان پستولیے کا کمر سے بندھا، ایک رومال پٹری دار تہ کیا ہوا، اس میں آویزاں۔ مشروع کا پاجامہ، جس کے عرض کے پائنچے، ناگ پھنی کی انی دار جوتی جس کی ڈیڑھ بالشت اونچی نوک، کمر میں ایک طرف سیف یعنی سیدھی تلوار، دوسری طرف کٹار، ہاتھ میں جریب، غرض جب داخلِ محفل ہوئے، تو

وہ شہر لکھنؤ ۔۔۔۔۔۔ بانکے ٹیڑھے جوان جمع،
انھیں دیکھ کر سب ہنسنے لگے ۔۔۔۔۔ شمع ان
کے سامنے آئی ۔۔۔۔۔۔ بعض اشخاص نے
پوچھا۔ حضور کا وطن کہاں ہے ؟ میر صاحب
نے یہ قطعہ فی البدیہہ کہہ کر غزل طرحی میں
داخل کیا ۔

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

دِلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے

اس کو فلک نے لوٹ کر ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے"

"ذکرِ میر" کے بیان کی روشنی میں آزاد کی یہ
داستان (جسے انھوں نے کسی سے سنا ہوگا) رد
ہو چکی ہے۔ مگر اتنا تسلیم کیا جا چکا ہے کہ قطعہ
میر ہی کا زائیدۂ فکر ہے۔ شعیب محمدیہ کالج، آگرہ
کے کتب خانے میں ایک قدیم بیاض بطورِ کشکول
ترتیب دی ہوئی موجود ہے۔ اس میں میر کی
مثنوی "خواب و خیال" بھی درج ہے۔ بیاض،
میر کی زندگی میں مرتب ہوئی تھی۔ مثنوی کے
آخر میں اوّل رجب ۱۲۱۶ھ ۔ چہار شنبہ
(۹۔نومبر ۱۸۰۱ء) لکھا ہے۔ اس کے بعد مذکورہ
قطعے کے اشعار میر کی طرف منسوب کر کے

درج کیے گئے ہیں۔ صرف دوسرے شعر کا پہلا
مصرع ("دِلّی جو ایک شہر تھا، عالم میں انتخاب")
اس طرح ہے ۔

"دِلّی جو ایک شہر تھا رشکِ نعیم، آہ"

اس قطعے کا آخری مصرع مصحفی کے ایک مقطع
کے مصرع ثانی سے بھی ملتا جلتا ہے ۔
دِلّی کہے ہیں جس کو زمانہ میں مصحفی
مَیں رہنے والا تھا (ہوں۔ بھی) اسی اجڑے دیار کا]

تاریخ شاہد ہے کہ لکھنؤ پہنچنے تک میر کی خود
پسندی اور تنک مزاجی آسماں کو چھونے لگی تھی۔
تاہم یہ قابلِ ستایش ہے کہ آصف الدولہ نواب
اودھ نے، میر کی اَنا کے جائز و ناجائز، ہر
مظاہرے کو اس طرح برداشت کیا۔ چند
واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

(۱)

آبِ حیات سے نقل ہے کہ ایک دن نواب نے
بلا بھیجا۔ پہنچے تو دیکھا نواب حوض کے کنارے
کھڑے ہیں۔ ہاتھ میں چھڑی ہے۔ پانی میں
لال، سبز مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ آپ تماشا
دیکھ رہے ہیں۔ میر صاحب کو دیکھ کر بہت خوش
ہوئے اور کہا کہ "میر صاحب کچھ فرمایا ہے؟"۔ میر
صاحب نے غزل سنانا شروع کی۔ نواب صاحب
سنتے جاتے تھے اور چھڑی کے ساتھ مچھلیوں
سے کھیلتے جاتے تھے۔ میر صاحب چیں بہ جبیں

وہ شہر لکھنؤ ۔۔۔۔۔ بانکے ٹیڑھے جوان جمع،
انھیں دیکھ کر سب ہنسنے لگے ۔۔۔۔۔ شمع ان
کے سامنے آئی ۔۔۔۔۔ بعض اشخاص نے
پوچھا۔ حضور کا وطن کہاں ہے ؟ میر صاحب
نے یہ قطعہ فی البدیہہ کہہ کر غزل طرحی میں
داخل کیا ۔

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

دِلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے

اس کو فلک نے لوٹ کر ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے"

"ذکرِ میر" کے بیان کی روشنی میں آزاد کی یہ داستان (جسے انھوں نے کسی سے سنا ہوگا) ردّ ہو چکی ہے۔ مگر اتنا تسلیم کیا جاچکا ہے کہ قطعہ میر ہی کا زائیدۂ فکر ہے۔ شعیب محمدیہ کالج، آگرہ کے کتب خانے میں ایک قدیم بیاض بطورِ کشکول ترتیب دی ہوئی موجود ہے۔ اس میں میر کی مثنوی "خواب و خیال" بھی درج ہے۔ بیاض، میر کی زندگی میں مرتب ہوئی تھی۔ مثنوی کے آخر میں اوّل رجب ۱۲۱۶ھ ۔ چہار شنبہ (۹۔نومبر ۱۸۰۱ء) لکھا ہے۔ اس کے بعد مذکورہ قطعے کے اشعار میر کی طرف منسوب کر کے

درج کیے گئے ہیں۔ صرف دوسرے شعر کا پہلا مصرع ("دِلّی جو ایک شہر تھا، عالم میں انتخاب") اس طرح ہے ۔

"دِلّی جو ایک شہر تھا رشکِ نعیم، آہ"

اس قطعے کا آخری مصرع مصحفی کے ایک مقطع کے مصرع ثانی سے بھی ملتا جلتا ہے ۔ مصحفی دِلّی کہے ہیں جس کو زمانہ میں مَیں رہنے والا تھا (ہوں۔ بھی) اسی اجڑے دیار کا]

تاریخ شاہد ہے کہ لکھنؤ پہنچنے تک میر کی خود پسندی اور تنک مزاجی آسماں کو چھونے لگی تھی۔ تاہم یہ قابلِ ستایش ہے کہ آصف الدّولہ نواب اودھ نے، میر کی اَنا کے جائز و ناجائز، ہر مظاہرے کو اس طرح برداشت کیا۔ چند واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

(۱)

آبِ حیات سے نقل ہے کہ ایک دن نواب نے بلا بھیجا۔ پہنچے تو دیکھا نواب حوض کے کنارے کھڑے ہیں۔ ہاتھ میں چھڑی ہے۔ پانی میں لال، سبز مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ آپ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ میر صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ "میر صاحب کچھ فرمایا ہے ؟۔ میر صاحب نے غزل سنانا شروع کی۔ نواب صاحب سنتے جاتے تھے اور چھڑی کے ساتھ مچھلیوں سے کھیلتے جاتے تھے۔ میر صاحب چیں بہ جبیں

ہوتے تھے اور ہر شعر پر ٹھہر جاتے تھے۔ نواب صاحب کہتے تھے۔ ''ہاں ہاں پڑھیے'' آخر چار شعر پڑھ کر میر صاحب ٹھہر کر بولے۔ ''پڑھوں کیا آپ تو مچھلیوں سے کھیلتے ہیں۔ متوجہ ہوں تو پڑھوں''۔ نواب صاحب نے کہا۔ ''جو شعر ہوگا آپ متوجہ کرلے گا''۔ میر صاحب کو یہ بات زیادہ تر ناگوار گزری۔ غزل جیب میں ڈالی اور گھر چلے آئے۔ اور آنا جانا چھوڑ دیا۔

چند روز بعد ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے کہ نواب صاحب کی سواری سامنے سے آگئی۔ دیکھتے ہی نہایت محبت سے بولے ''میر صاحب آپ نے تو ہمیں بالکل ہی چھوڑ دیا۔ کبھی تشریف نہیں لاتے''۔ میر صاحب نے کہا۔ ''بازار میں باتیں کرنا آدابِ شرفا نہیں۔ یہ کیا گفتگو کا موقع ہے''۔

(۲)

آب حیات ہی میں ہے کہ ایک دن آصف الدولہ نے ایک غزل کی فرمائش کی۔ دوسرے تیسرے دِن جب میر صاحب پھر گئے تو پوچھا۔ ''میر صاحب، ہماری غزل لائے؟ میر صاحب نے تیوری بدل کر کہا۔ ''جناب عالی، مضمون غلام کی جیب میں تو بھرے نہیں ہیں کہ کل آپ نے فرمائش کی اور آج غزل حاضر کردے''۔ نواب صاحب نے کہا۔ ''خیر، میر صاحب جب طبیعت حاضر ہو، کہہ دیجیے گا۔''

(۳)

یہ واقعہ شاید اوائل ۱۲۱۲ھ کا ہو۔ ''تذکرہ خوش معرکہ زیبا'' میں درج ہے کہ ایک دن نواب کتب خانے میں کتابیں دیکھنے میں مصروف تھے۔ میر بھی وہیں موجود تھے۔ ایک کتاب میر کے قریب رکھی تھی اور نواب سے دور تھی۔ نواب نے کہا۔ ''میر صاحب ذرا یہ کتاب اٹھا دیجیے''۔ میر صاحب نے ایک خدمت گار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''سنو تمہارے آقا کیا فرماتے ہیں''۔ نواب نے آگے بڑھ کر خود ہی کتاب اٹھالی، مگر یہ میر زائی بہت ناگوار گذری۔ تھوڑی دیر بعد نواب نے کہا ''مرزا سودا کیسا شاعرِ مسلّم الثبوت تھا''۔ میر نے کہا۔ ''بجا ہے۔ ہر عیب کہ سلطان بہ پسند و ہنر است'' نواب نے کہا ''ہم عیب پسند ہیں؟ یک نہ شد دو شد''۔ اتنے میں میر سوز (متوفی ۱۲۱۳ھ) نواب کے استاد آگئے۔ حکم ہوا۔ ''کچھ پڑھو''۔۔۔۔ حسبِ حکم میر سوز نے دو تین غزلیں پڑھیں۔ نواب صاحب نے خوب تعریف کی۔ میر صاحب کو بہت ناگوار ہوا۔ میر سوز سے کہا۔ ''تمہیں اس دیدہ دلیری پر شرم آنا چاہیے''۔ میر سوز نے کہا ''میں شاہجہاں آباد میں بھاڑ نہیں جھونکتا تھا۔ کہا۔ ''تمہاری شرافت میں تامّل نہیں۔ لیکن شعرِ میر سے کسی کو کیا ہمسری۔ موقع تمہاری شعر خوانی کا وہ ہے جب لڑکیاں جمع ہوں ہنڈکلیاں پکتی ہوں نہ کہ میر تقی کے سامنے۔ یہ کہہ کر جو شقہ طلبی کا نواب

نے لکھا تھا اسے جیب سے نکال کر نواب کے آگے رکھ دیا اور ''خانہ آباد دولت زیادہ'' کہتے ہوئے اُٹھ پڑے۔ نواب بھی جھلائے ہوئے تھے۔ فرمایا ''خدا حافظ'' اور میر چلے گئے۔

دو مہینے بعد تحسین علی خواجہ سرا نے بڑی نرمی سے نواب صاحب کی خدمت میں میر صاحب کی سفارش کی۔ نواب صاحب نے پہلے میر صاحب کی شکایت کی۔ پھر تحسین علی خاں کو میر کے بلانے کی اجازت دے دی۔ مگر میر صاحب نے خواجہ سرا کی معرفت دربار میں جانا منظور نہیں کیا۔ ایک دن نواب صاحب عتیق اللہ خان کے امام باڑے میں آئے اور تحسین علی خاں کو اشارے سے کہا کہ ''میر کو لے آ''۔ خواجہ سرا نے آکر میر کو خبر دی کہ۔ ''جلدی چلو تم کو لینے کے لئے حضور آئے ہیں''

(۴)

''دستور الفصاحت'' میں لکھا ہے کہ ایک دن میر، نواب کو اپنا قصیدہ سنا رہے تھے۔ اس محفل میں مُلّا محمد مغل شاعر ایران آیا ہوا تھا اور نواب کی مدح میں کچھ پڑھنا چاہتا تھا مگر میر کا قصیدہ اتنا طویل تھا کہ مُلّا کے لیے وقت رہنے کا امکان نہ تھا۔ مُلّا نے جل کر کہا۔ ''آپ کا قصیدہ تو بہت اچھا ہے لیکن طویل ہے۔ نواب صاحب کو تحمل نہ ہوتا تو اُسے کون سنتا''۔ میر نے غصّے میں بیاض پھینک کر کہا ''نواب کو تحمل نہیں تو مجھے کب تحمل ہے''۔ نواب سراپا اخلاق تھے۔ مُلّا کی

بالکل پروانہ کی اور میر کا قصیدہ پوری توجہ سے سنا

(۵)

آب حیات میں ہے کہ لکھنؤ میں کسی نے میر سے پوچھا کہ صاحب شاعر کون کون ہیں؟ کہا ''ایک مَیں اور دوسرے مرزا سودا''۔ کچھ سوچ کر پھر کہا۔ ''آدھے شاعر خواجہ میر درد'' کوئی شخص بولا ''اور میر سوز صاحب؟'' چیں بہ جبیں ہو کر بولے کہ ''میر سوز بھی شاعر ہیں؟''۔ کہا ''وہ تو نواب کے استاد ہیں''۔ یہ ہے تو پاؤ شاعر ان کو بھی سمجھ لو''۔ یعنی کل پونے تین شاعر ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میر سوز بڑے خوش طبع اور فصیح شاعر تھے۔ سیدھے سادے مضامین باندھتے تھے۔ زبان اور طرحیں دونوں آسان ہوتی تھیں۔ شعر خوانی کا ان کا الگ انداز تھا۔ دو شعر درج کیے جاتے ہیں۔

بلبل کہیں نہ جائیو زنہار دیکھنا
اپنے ہی ان میں پھولے گا گلزار دیکھنا

نازک ہے دل نہ ٹھیس لگانا اسے کہیں
غم سے بھرا ہے، اے مرے غم خوار! دیکھنا

(۶)

تذکرہ خوش معرکہ زیبا میں ہے کہ مرزا مغل سبقت جو خود اچھے شاعر تھے۔ میر کی ملاقات کو گئے اور درخواست کی کہ اپنے کلام سے مستفید

فرمایئے ۔ میرؔ صاحب نے فرمایا ۔" تمہاری صورت سے سخن فہمی ظاہر نہیں ہوتی۔ پھر اپنے سخن کو ضائع کرنے سے کیا حاصل ؟"
(سبقتؔ خلف مرزا علی اکبر کشمیری۔ دہلی میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں پیدا ہوئے۔ شباب میں لکھنؤ گئے۔ جرأتؔ (وفات ۱۲۲۵ھ) کے شاگرد تھے۔ دو شعر ملاحظہ کیجیے ۔

غم نہیں، کچھ شیشۂ دل گر بنے اور ٹوٹ جائے
ہے الم اس کا جو شئے پتھر بنے اور ٹوٹ جائے

پوچھے اس سے کوئی حالت کو ہمارے دل کی، آہ
ایک مدّت بعد جس کا گھر بنے اور ٹوٹ جائے

۱۲۲۹ھ / ۱۴۔۱۸۱۳ء میں انتقال کیا)

(۷)

آزادؔ ناقل ہیں کہ میرؔ کو ان کے ایک قدر شناس نواب اپنے گھر اٹھالے گئے اور ان کو ایک ایسے مکان میں ٹھہرایا جہاں کی کھڑکیاں باغ میں کھلتی تھیں۔ میر اس مکان میں بہت دن رہے۔ لیکن کھڑکیاں اسی طرح بند رہیں۔ ایک دن ان کے ملاقاتی آئے تو کھڑکیاں بند دیکھ کر ان کو بڑا تعجب ہوا۔ اور میر سے کہا" میر صاحب ادھر باغ ہے آپ نے کھڑکیاں کیوں نہیں کھولیں۔ میر صاحب نے جواب دیا" اچھا ادھر باغ بھی ہے؟۔۔۔"]

۱۱۹۸ھ
۸۴۔۱۷۸۳ء

میرؔ کا عقدِ ثانی لکھنؤ میں

تقریباً ۱۲۰۰ھ
۸۶۔۱۷۸۵ء

دیوانِ سوم [ترتیب لکھنؤ، مگر دہلی میں کہا ہوا کلام (۱۱۸۹ھ تا ۱۱۹۶ھ) بھی شامل]

۱۲۰۱ھ
۸۷۔۱۷۸۶ء

لکھنوی بیوی سے دوسرے بیٹے محمد عسکری کی ولادت۔ میر کلّو کے نام سے مشہور ہوئے۔ عرشؔ تخلص تھا۔ میرؔ کے انتقال کے بعد ان کی یہی اولاد زندہ رہی۔ مگر خود عرشؔ صاحبِ اولاد نہ تھے۔ خود کہتے ہیں ۔

میرے دم تک عرشؔ روشن ہے چراغِ دودماں
پھر نہیں کوئی جنابِ میر کی اولاد میں

تازیست ہے عرشؔ نام روشن
پھر گل ہے چراغِ دودماں تک

۱۲۰۳ھ
۱۷۸۸ء

غلام قادر روہیلہ کا مرہٹوں کے ہاتھوں قتل (میرؔ نے اس واقعہ کا ذکر "ذکرِ میر" میں کیا ہے)

۱۲۰۵ھ
۹۱۔۱۷۹۰ء

مسجدِ تحسین کی بنیاد کی تاریخ [یہ مسجد محمد تحسین علی خاں (نواب ناظر، آصف الدّولہ کے مشہور

خواجہ سرا۔ متوفی اکتوبر ۱۸۱۲ء) نے بنوائی تھی جو لکھنؤ میں چوک اکبری دروازے سے متصل اب تک موجود ہے۔ تحسین علی خاں اور میر کا ذکر پہلے آچکا ہے]

قبل از ۱۲۰۹ھ
قبل از ۱۷۹۴ء

دیوانِ چہارم (ترتیب لکھنؤ)

۱۲۱۲ھ
۱۷۹۷ء

میر کے ناز بردار آصف الدولہ نواب اودھ کی وفات (جمعہ ۲۸ ربیع الاوّل) میر کا وظیفہ بند۔ (آصف الدولہ نے تین سو، بعض کے نزدیک دو سو، روپے ماہوار مقرر کیا تھا)

۱۲۱۲ھ
بعد از ستمبر ۱۷۹۷ء

آصف الدولہ کے انتقال پر نواب وزیر علی مسند نشین (نواب وزیر علی آدھے پاگل تھے۔ انھیں انگریزوں کے ایما پر حراست میں لے لیا گیا۔ انھوں نے صرف چند ماہ حکومت کی)

۱۲۱۲ھ
۲۴۔ جنوری ۱۷۹۸ء

نواب سعادت علی خاں مسند نشین سلطنت اودھ بعمر ۶۰ سال (سال بھر جشن ہوتا رہا اور حکام کو کیا یاد رہتا کہ میر کا وظیفہ بند ہے اور ان کی گزر بسر کا کوئی ذریعہ نہیں)

قبل از ۱۲۱۳ھ
قبل از ۹۸۔۱۷۹۷ء

دیوانِ پنجم (ترتیب لکھنؤ)

۱۲۱۳ھ
اوائل ۱۷۹۹ء

میر اس سال بھر کے عرصے میں لکھنؤ اور اپنے ماحول سے از حد خفا۔ ذیل کی غزلیں جو اُن کے دیوان پنجم میں شامل ہیں شاید انھیں دنوں میں کہی گئی ہوں۔ چند اشعار ؎

غصے میں ناخنوں نے مرے کی ہے کیا تلاش
تلوار کا سا گھاؤ ہے جبہے کی ہر خراش

آباد اجڑا لکھنؤ چغدوں سے اب ہوا
مشکل ہے اس خرابے میں آدم کی بود و باش

اب یاں سے ہم اُٹھ جائیں گے۔ خلقِ خدا، ملکِ خدا
ہرگز نہ ایدھر آئیں گے۔ خلقِ خدا، ملکِ خدا

تو میر ہووے گا جہاں، امرِ قضا کے تابعاں
روزی وہیں پہنچائیں گے، خلقِ خدا، ملکِ خدا

کب سے گیا ہے آتا نہیں نامہ برہنوز
وہ ہی بھی کچھ سنا نہیں چاہے خبر ہنوز

برسوں سے لکھنؤ میں اقامت ہے مجھ کو لیک
یاں کے چلن سے رکھتا ہوں عزمِ سفر ہنوز

جل جل کے ہوگیا ہے کبد تو کباب ، میرؔ
جوں غنچہ ناشگفتہ ہے داغِ جگر ہنوز)

۱۲۱۶ھ
۱۸۰۱ء

اِنشاؔء کی نواب سعادت علی خاں کے دربار میں ملازمت (میر کے وظیفے کو بند ہوئے چار سال ہو چکے تھے۔ ایک دِن میر مسجدِ تحسین (ذکر آچکا ہے) میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سامنے سے نواب کی سواری نکلی۔ سب تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے مگر میر نہ اُٹھے۔ پوچھا یہ کون ہے؟۔ اِنشاء نے بتایا کہ وہی میر ہے جس کا وظیفہ عرصے سے بند ہے۔ نواب متاثر ہوئے۔ چوبدار کے ہاتھ روپے، خلعت اور تحفے تحائف بھجوائے۔ میر نے نہ لیے، کہا کہ انھیں مسجد میں بھجوا دیجیے۔ پھر خود اِنشاء لے کر آئے اور سمجھا بجھا کر راضی کیا۔
سعادت علی خاں میرؔ کی عظمت کے قائل ہوگئے۔ وظیفہ بحال [نواب سعادت علی خاں طبعاً بُزرس تھے۔ عین ممکن ہے کہ میرؔ کے وظیفے میں بھی کچھ قطع و بُرید کی گئی ہو اور میر اس لیے بھی لکھنؤ سے خفا ہوں]

۱۲۲۲ھ
۱۸۰۷ء

عزیز بیٹی، بیگمؔ کا انتقال

قبل از ۱۲۲۳ھ
قبل از ۱۸۰۸ء

دیوان ششم (ترتیب لکھنؤ)

۱۲۲۳ھ
۱۸۰۸ء

بیٹے میر فیض علی کا انتقال

۱۲۲۳ھ
۱۸۰۸ء

۱۲۲۵ھ تا وفات ۱۸۱۰ء

دیوانچہ (مختصر مجموعۂ کلام، ترتیب لکھنؤ) یہ اب نایاب ہے

۱۲۲۴ھ
۱۸۰۹ء

دوسری بیوی کا انتقال

۱۲۲۴ھ
غالباً اواخر ۱۸۰۹ء

میرؔ کے آخر وقت میں قتیلؔ نے (۱۱۷۲ھ تا ۱۲۳۳ھ) لکھنؤ میں ایک مشاعرے میں میرؔ کو سنا تھا۔ ایک خط میں لکھا ہے کہ میر صاحب کے تمام جسم مبارک میں رعشہ تھا۔ آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ مگر کلام بہت اچھا سنایا تھا

۱۲۲۵ھ
قبل از ستمبر ۱۸۱۰ء

نوادر الکملا (ایک معدوم تذکرہ جس کے چند اوراق ہی دستیاب ہیں) کے مصنف نے جو میرؔ کو بہت قریب سے جانتا تھا لکھا ہے کہ یہ مطلع میرؔ کی زندگی کا آخری شعر ہے ؎

ساز پیچ آمادہ ہے سب قافلے کی تیاری ہے
مجنوں ہم سے آگے گیا ہے اب کے ہماری باری ہے

۲۰ شعبان ۱۲۲۵ھ
۲۰ ستمبر ۱۸۱۰ء

میرؔ کی وفات۔ اس وقت لکھنؤ کے محلہ سٹھٹی میں رہتے تھے۔ وہیں انتقال کیا اور انھیں بروز جمعہ، وقتِ شام، ۲۱ شعبان ۱۲۲۵ھ کو قبرستان اکھاڑہ بھیم میں دفن کیا گیا۔ قریب چار سو اشخاص

جنازے کے ہمراہ تھے اور بعد میں عقیدت مندوں نے جوق در جوق نمازِ غائبانہ پڑھی

۱۲۲۶ھ
۱۸۱۱ء
کلیاتِ میر۔ پہلی بار، میر کی وفات کے ایک سال بعد، اُردو ٹائپ میں فورٹ ولیم کالج، کلکتہ سے شائع ہوئی۔ ظاہر ہے کہ یہ میر ہی نے مرتب کی ہوگی یا کم از کم میر کی نظر سے گذر چکی ہوگی

۱۲۸۴ھ
۱۸۶۷ء
میر کلّو عرش کا انتقال لکھنؤ میں اور۔

"اب" نہیں کوئی جنابِ میر کی اولاد میں

”توقیتِ ذوق“

نام
(شیخ) محمد ابراہیم

تخلص
ذوق

ذات
بیشتر شیخ ہی کہے جاتے ہیں مگر ایک جگہ قریش بھی کہا گیا ہے
(ع بود ذاتش قریش و نام خلیل۔ یہ مرزا انور الدین المتخلص بہ شاہی کے قطعۂ تاریخِ وفاتِ ذوق کا مصرعہ ہے)

آبائی وطن
”جوارِ دہلی کا ایک قدیم قصبہ شاہ پور، تحصیل بڑھانہ، ضلع مظفر نگر ---- یہیں سے ترکِ وطن کر کے ذوق کے والد دہلی جا بسے تھے“۔

والد
”شیخ محمد رمضان ایک غریب سپاہی تھے۔ کابلی دروازے کے پاس ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے تھے“ ذوق باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔

۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ
۲۳۔ اگست ۱۷۹۰ء
دہلی میں ولادت (پہلے، اُردو اخبار میں سالِ ولادت